© rasailojaraid.com

میں کوئی غیر معمولی حرکت محسوس کرتے تو فوراً بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑا کر دعائیں مانگتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں احادیث میں مذکور ہے کہ جب بھی فضا میں برق و باراں یا آندھی کے آثار آپ کو نظر آتے تو آپ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور بڑے اضطراب کے عالم میں رحمتِ خداوندی کے طلبگار ہوتے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتے :

اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِکَ

جس طرح تعمیر کی متعدد صورتیں ہیں اسی طرح تخریب اور خلفشار کے بھی مختلف راستے ہیں بعض راستے تو بڑے صاف اور واضح ہیں اور ایک انجان آدمی بھی انہیں دیکھ کر ان خطرات کو فوراً بھانپ لیتا ہے جو ان راستوں پر چلنے سے اُسے پیش آسکتے ہیں۔ مگر تخریب کی بعض راہیں اتنی پُرپیچ ہیں کہ اُن کے نشیب و فراز کو عوام آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ اپنی دانست میں فلاح و کامرانی کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ تباہی و بربادی کی طرف بڑھتے ہیں۔ شیطان انسان کو فریب دینے اور اسے ناکام بنانے کے لیے جو گہری چالیں چلتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بعض انسانوں کو سب سے پہلے بعض کاموں کے بارے میں بھلائی کے بڑے سہانے خواب دکھاتا اور بڑی دلفریب اور خوش آئند امیدیں وابستہ کرواتا ہے مگر جب نتائج ان کی حسبِ منشا نہیں نکلتے تو انہیں مایوسی کا شکار کر دیتا ہے اور پھر اپنی اس فتح مندی پر بڑا خوش ہوتا ہے۔

شیطان تو خیر ہے ہی انسان کا ازلی دشمن۔ مگر افسوس کے قابل اُن لوگوں کی حالت ہے جو اس کے فریب میں آکر خواہ مخواہ کسی فرد یا گروہ یا کسی کام سے ایسی غلط قسم کی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں جن کے سو فیصد پورا ہونے کے دُور دُور تک امکانات نہیں ہوتے۔ اور پھر جب انہیں کسی حد تک ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یاس و قنوطیت کا شکار ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور تعمیری اندازِ فکر کو چھوڑ کر منفی اندازِ فکر اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ خواہ کتنے مخلص ہوں مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ اندازِ فکر عملی زندگی کے لیے کسی طرح بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفید نہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ انداز مایوس ہونے کے لیے ہی اختیار کیا جاتا ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ اس کی مثالیں ہمیں معمولی افراد سے لے کر نامور شخصیات تک اور عام واقعات سے لے کر بڑے اونچے قومی مسائل تک میں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً آپ زندگی میں ایک شخص سے تعلقات قائم کرتے ہیں۔ اس شخص کی عام روش بڑی اچھی ہے۔ اس نے آپ کے ساتھ اکثر اوقات بھلائی کا معاملہ کیا ہے۔ مگر کبھی اس سے لغزش ہو جاتی ہے تو کیا آپ کا سوچنے کا یہ انداز صحیح کہا جا سکتا ہے کہ آپ اس کی ایک لغزش کو دیکھتے ہوئے نہ صرف اس سے بگاڑ پیدا کر لیں گے اور اس کے خلاف ایک مہم چلائیں بلکہ پوری انسانیت سے مایوس ہو کر بیٹھ جائیں اور انسان کے بارے میں یہ تصور اپنے ذہن میں راسخ کر لیں کہ آدمی نیک اور بھلا ہو سکتا ہی نہیں، درآنحالیکہ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ جس چیز کو آپ لغزش سمجھ رہے ہیں وہ لغزش ہی نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی نظر میں اس سے کوئی کوتاہی ایسی ہوئی ہے جس نے آپ کو مایوس کیا ہے، مگر اس میں ایک غلطی آپ کی بھی ہے جو کسی اعتبار سے کم سنگین نہیں کہ آپ نے اُس شخص سے ایسی توقع وابستہ کر لی جس کے لیے آپ کے پاس کوئی جواز نہیں۔ آخر آپ نے یہ کیوں فرض کر لیا کہ بھلے آدمی سے بھولے سے بھی کوئی لغزش سرزد نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی شاعرانہ توقعات مایوسی کی آغوش میں پناہ لینے کے لیے ہی تو انسان پیدا کرتا ہے۔

مسلمان جو کبھی دنیا کے سب سے زیادہ حقیقت پسند انسان تھے آج بدقسمتی سے ہر مرحلے اور ہر گام پر ہر تحریک اور ہر فرد یا گروہ کے بارے میں توقعات کے اس قسم کے شاعرانہ طلسمات میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ وہ پہلے کسی فرد یا کام کے بارے میں خوابوں کے محل تعمیر کرتے ہیں مگر پھر معمولی دھچکے کے ساتھ فوراً ہی انہیں پیوندِ خاک کر دیتے ہیں اور اپنے اندازِ فکر کی کوتاہی پر غور کرنے اور آئندہ محتاط رہنے کے بجائے ان جھوٹی آرزوؤں اور تمناؤں کے مرقد بنا کر ان پر دھونی رما کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ گزشتہ سو سال کی تاریخ کا جائزہ لیں تو آپ کو اس قسم کی مایوسی کی کئی ایک مثالیں ملیں گی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جسے "غدر" کا نام دیا جاتا ہے مسلمانوں کو ناکامی ہوئی تو اس ناکامی کے اسباب پر غور کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود پاکستان کے حالات امریکہ اور روس کی اس ملی بھگت کی شہادت فراہم کرتے ہیں۔ ہمارے اس ملک میں ایک مدت تک امریکہ کا غیر معمولی اثر قائم رہا اور خارجی اور داخلی تعلقات میں ہم اس کا اشارہ ابروئے چشم پاکر ہی ہر قدم اٹھاتے رہے۔ اس کے افکار و نظریات اور اس کی تہذیب و تمدن کو ہم نے اپنے ہاں رواج دینے کی کوشش کی۔ مگر ساتھ ساتھ اشتراکی نظریات کو بھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے پورے مواقع فراہم کیے گئے اور اس معاملے میں بھی کسی قسم کی مزاحمت نہ کی گئی۔ امریکہ اور روس دونوں اس بات سے خوش تھے کہ اس ملک میں الحاد اور مادیت سرایت کرتی جارہی ہے اور اسلامی تعلیمات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ جہاں تک مغربی اقدار کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے کے ہم عنان تھے، بلکہ بسا اوقات کھلے طور پر ایک دوسرے کی معاونت اور دستگیری بھی کرتے تھے۔ بہت سی ایسی ایجنسیاں، ادارے اور تنظیمیں جو ثقافت اور آرٹ کے نام پر اس ملک کی اخلاقی اساس کو برباد کرنے میں منہمک تھیں ان کی امریکہ اور روس دونوں طرف سے حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ مگر جب سیاسی مصالح کے نقطۂ نظر سے امریکہ نے کھل کر بھارت کی حمایت شروع کی اور پاکستان سے منہ موڑ لیا تو روس نے ہمارے اردگرد ایسی جذباتی فضا پیدا کر دی جس کے تحت ہم اس کی طرف نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھنے پر مجبور ہوتے۔ پاک بھارت جنگ کے بعد معاہدۂ تاشقند میں جس طرح روس نے امریکہ کی خواہش کے عین مطابق پاکستان کو بعض ذلت آمیز شرائط پر بھارت سے صلح کرنے پر مجبور کیا وہ ان دونوں ملکوں کی ملی بھگت کی کھلی شہادت ہے۔ جو کام امریکہ نہ کر سکتا تھا وہ اس نے روس کے ذریعے کروایا اور اس امر کی کوشش کی کہ ہم اب روس پر اعتماد کرنا شروع کر دیں تاکہ ان دونوں بتوں سے مایوس ہو کر کہیں یکسوئی کے ساتھ اپنے خدا کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں اور اپنی دنیا خود اپنی نظریاتی اور تہذیبی بنیاد پر تعمیر کرنے کا عزم نہ کریں۔

امریکہ اور روس کے درمیان ممکن ہے سامراجی عزائم کی تکمیل کے معاملے میں کچھ اختلافات ہوں اور مادی مفادات کی تقسیم کے سلسلے میں ان کے مابین کبھی کبھی تلخی اور رنجش پیدا بھی ہو جاتی ہو، مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام کو مٹانے اور اس کے مقابلے میں غیر اسلامی نظریات اور اقدار کو قوت بہم پہنچانے اور اسلام کے علمبرداروں کی طاقت کو توڑنے کے معاملے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ مسلم ممالک میں احیائے اسلام کے لیے جو تحریکات کام کر رہی ہیں، یہ دونوں ممالک انہیں برباد کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں اور جب بھی انہیں کسی طرف سے زک پہنچائی جاتی ہے انہیں بےحد خوشی ہوتی ہے۔ اخوان المسلمین کی تباہی پر امریکہ اور روس دونوں کو جس قدر خوشی اور مسرّت ہوئی وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پاکستان کی جماعت اسلامی اور اس کے امیر مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف آئے دن امریکی پریس، اور نام نہاد امریکی مصنفین جس قسم کا مواد پیش کرتے رہتے ہیں اُن سے اُن کے ناپاک عزائم کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انگلستان اور امریکہ میں پاکستان کے سیاسی معاشرتی اور معاشی حالات کے بارے میں متعدد کتابیں اور مضامین لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب میں جماعت اسلامی کے بارے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ یہ چند تنگ نظر رجعت پسند اور دقیانوسی ملاؤں کی ایک فاشسٹ تنظیم ہے جو قوت کے بل بوتے پر معاذاللہ ایک فرسودہ اور بیکار نظامِ حیات نافذ کرنا چاہتی ہے، اس کے ماننے والوں میں اندھے جوش کے سوا کوئی چیز نہیں، دقیانوسیت ان کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ اس معاملہ میں اگر کوئی شخص ان لوگوں کے خیالات کی چند جھلکیاں دیکھنا چاہتا ہے تو اسے FREELAND ABBOT اور BINDER کی تحریروں پر ایک نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اِن سے اسے ان کے رجحانات اور عزائم کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ یہ لوگ اسلام کے اُن سارے خادموں کے دشمن ہیں جو مسلمانوں کو دینِ حق کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں اس بات پر سرگرمِ عمل کرتے ہیں کہ وہ اس دین کی اساس پر اپنی اجتماعی زندگی کی تشکیل کریں اور پھر اس دین کو دنیا کی ایک غالب قوت بنانے کے لیے جدوجہد کریں۔ اوّل تو ان غیر مسلم قوموں کو اسلام کے نام ہی سے چڑ ہے۔ لیکن اگر وہ مسلم قوم کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کی کوئی صورت گوارا کرنے پر آمادگی کا اظہار بھی کرتی ہیں تو دین کی اس شکل کو برداشت نہیں کرتیں جس کا عملی نمونہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم یا آپ کے جلیل القدر صحابہ یا دوسرے صلحائے امت میں ملتا ہے بلکہ ان کے نزدیک اگر کوئی دین پسندیدہ ہے تو وہ جو مغربی تہذیب کا چربہ ہو اور جس میں اسلام کے نام پر مغربی تہذیب اور اس کی اقدار کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کے برسرِ اقتدار آنے سے اسلام کا تسلط قائم ہو گا یا غریب کی گھڑی بن جائیگی ایک ایسی سادگی ہے جس کے ڈانڈے حماقت اور بیوقوفی سے جا ملتے ہیں۔ اس جماعت کی عملی روش کو دیکھتے ہوئے بھی اگر عوام کی آنکھیں نہ کھلیں اور وہ اس کے خوش کُن دعووں کے دامِ فریب میں گرفتار رہنا پسند کریں اور بعد میں جب نتائج ان لوگوں کی اِن خواہشات اور آرزوؤں کے بالکل برعکس برآمد ہوں تو پھر مایوسی کا شکار ہو کر بیٹھ جائیں تو اس میں قصور کسی اور کا نہیں بلکہ خود اُن کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور غور و فکر کی جو صلاحیتیں عطا کی ہیں ان کا مقصد یہی ہے کہ انسان کے اندر حالات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ آنکھیں بند کر کے دنیا میں زندہ رہنے کے بجائے بصیرت کی آنکھیں کھول کر زندہ رہ سکیں۔ اگر انسان چند تنکوں سے ہوا کے رُخ کا اندازہ لگانے کی اہلیت رکھتا ہے تو وہ کسی فرد یا جماعت کے رویّے سے اس کے عزائم کا آخر کیوں پتہ نہیں لگا سکتا؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان دلفریب خوابوں کی دنیا میں رہ کر لذّت محسوس کرتا ہے اور تلخ حقائق سے دوچار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتا ورنہ قدرت نے تو آنکھیں کھولنے کا قدم قدم پر سامان کر رکھا ہے۔ قدرت آگ سے پہلے فضا میں دھواں اٹھاتی ہے تاکہ آنے والے خطرے کو بھانپا جا سکے۔ اب اگر انسانوں کا کوئی گروہ دھوئیں کے بادل تو کیا آگ کے شعلوں کو دیکھ کر بھی حالات کی سنگینی سے غافل رہتا ہے تو اس غفلت کی سزا یہی ہے کہ وہ دنیا میں نامرادیوں کا شکار ہو کر رہے۔

یاس و قنوطیت کی ایک شکل تو وہ ہے جس میں انسان خود اپنی حماقت سے گرفتار ہوتا ہے۔ مگر چونکہ یہ ایک ایسا خوفناک مرض ہے جو کسی قوم کو اندر ہی اندر سے کھا جاتا ہے اس لیے دنیا کے چالاک اور عیار لوگ اکثر اوقات ایک منصوبے کے تحت اس کے جراثیم لوگوں کے دل و دماغ میں داخل کرتے ہیں۔ اس کی ایک صورت تو بالکل سیدھی سادھی ہے کہ جہاں بیٹھے اور جس جگہ گفتگو کا موقع ملا وہیں عوام کے اندر کسی بھلائی کے کام کے بارے میں مایوسی اور بددلی پھیلانے کی کوشش کی۔ آپ اگر معاشرے کے اندر چل پھر کر دیکھیں تو آپ کو اس طرح مسلمانوں کے ایمان کو نقب لگانے والے کئی افراد ملیں گے۔ جب بھی اُن سے بات کیجیے وہ یہی کہتے سنائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غریبوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے ۔ اگر اصحابِ اقتدار بدنیت نہ ہوتے تو وہ عزم اور تدبیر اور تھوڑی سی محنت کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام کو مٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظامِ معیشت کی تشکیل کر سکتے تھے ۔ مگر حکومت کے اندر غیر دینی عناصر نے جان بوجھ کر ملکی معیشت کی تعمیر خالص سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق کی، بلکہ یہاں سرمایہ داری کو ان سارے مفاسد کے ساتھ اُبھارا جن سے ایک لمبے تجربے کے بعد اب سرمایہ دارانہ ممالک پیچھا چھڑا چکے ہیں یا چھڑا رہے ہیں ۔ ان لوگوں نے اس امر کا خاص طور پر اہتمام کیا کہ ملکی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے، اور یہ ہاتھ اتنے مضبوط ہوں کہ پُورے ملک کو اپنی گرفت میں لے سکیں ۔ پھر نوکر شاہی، سرمایہ داری اور جاگیرداری کے گٹھ جوڑ سے غریبوں کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کی کوشش کی گئی اور سرگوشۂ حیات میں اس قدر لوٹ مچائی گئی کہ عوام کے لیے جینا دوبھر ہو گیا۔ اس کے بعد یہ تخیل پیش کرنا شروع کر دیا گیا کہ اصلاحِ حال کی کوئی صورت بجز اس کے ممکن نہیں کہ ملک کے سارے وسائل رزق براہِ راست حکومت کی تحویل میں دے دیئے جائیں، عوام اس کے ہاتھ میں بے بس ہو جائیں اور حکومت لوگوں کو نپا تُلا چارہ مہیا کرنے کا کوئی بندوبست کر دے ۔ ان لوگوں نے جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے بعض لوگوں کے ذہنوں کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ وہ یہ باور کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے کہ عوام آزادی اور عزت کے ساتھ بھی اپنی بنیادی ضروریات فراہم کر سکتے ہیں ۔ یہ لوگ اب مسلسل یہی تاثر دے رہے ہیں کہ زندگی کے نظام بس دو ہی ہیں ۔ یا تو تم سرمایہ داری اور جاگیرداری کے استبداد کے تحت محرومیوں کے ساتھ فاقہ مستی کی زندگی بسر کرو، یا پھر ریاست کی خدائی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال کر غلامی کی زندگی اختیار کر لو ۔ اشتراکیت کے اندر عوام کو معاشی اعتبار سے کس قدر آرام ملے گا یہ ایک الگ سوال ہے مگر ان لوگوں کی ہنر مندی دیکھیے کہ انہوں نے یہ فضا پیدا کر دی ہے کہ جو اشتراکیت کا مخالف ہے وہ لازمی طور پر عوامی مفاد کا دشمن، غریبوں اور ناداروں کا دشمن اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کا حامی ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشتراکیت کے علاوہ جس نظام کی بھی حمایت کی جائے وہ لازمی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت اور غریب دشمنی ہی ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ادوارِ حکمرانی بھی دینی اور اخلاقی اعتبار سے اسلام کے اجتماعی نظام کی نہایت عمدہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر وہ نظام جسے خالقِ کائنات نے بنایا ہے جس کے اصول و ضوابط کے صحیح ہونے پر خود انسان کی فطرت گواہی دیتی ہے جس کے درخشندہ نمونے تاریخ کے صفحات میں بکثرت موجود ہیں اور جس کی مثالی صورت ہر مسلمان کے دل و دماغ پر مرتسم ہے، اس کے بارے میں تو مایوسی کا اظہار کیا جاتا ہے اور جو نظام انسانی فطرت سے مطابقت بھی نہیں رکھتا جس کی تخلیق چند غیر متوازن ذہنوں نے کی ہے جو اپنی مثالی صورت میں ایک لمحہ کے لیے بھی عالمِ واقعات میں قائم نہیں ہوا اور جس کی تباہ کاریوں سے ایک دنیا واقف ہے اس سے خوش کن توقعات وابستہ کر کے اسے نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلامی نظام کے بارے میں یہ مایوسی بڑے ناپاک مقاصد اور مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے پھیلائی جاتی ہے۔

مسلم معاشرے میں مایوسی کی فضا پیدا کرنے کے لیے دوسری تکنیک یہ ہے کہ جو جماعتیں اسلام کی علمبردار ہیں یا جو افراد اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہیں اُن کے خلاف بے سروپا باتیں عوام میں مشہور کی جائیں اور اس معاملے میں اس قدر جھوٹ بولا جائے کہ عوام اُسے سچ سمجھ کر قبول کرنے لگیں۔ مگر اس معاملے میں بھی عوام کو صحیح صورتِ حال پر غور کرنا چاہیے۔ ہم دعوے سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ "ملّا" جسے آج پوری قوت سے ذلیل کیا جا رہا ہے بحیثیتِ مجموعی کفر کے علمبرداروں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس بیچارے نے بے سروسامانی کے ساتھ انگریزی استبداد کا مقابلہ کیا اور سخت غربت اور افلاس کے عالم میں دین کی شمع اُس نے اس دور میں روشن رکھنے کی کوشش کی جب متاعِ دنیا کے یہ طلبگار انگریز کی خدمت و چاکری کر کے جاگیریں حاصل کر رہے تھے۔ ذرا حساب لگا کر دیکھیے کہ رشوت، غبن، خیانت، ظلم، بے انصافی، اقربا نوازی اور قومی مفاد سے غداری کا کتنا ارتکاب "ملّا" کرتا ہے اور کتنا اس کو گالیاں دینے والے یہ روشن خیال ہمدردانِ قوم کرتے ہیں۔ قومی دولت کی لوٹ کھسوٹ ملّا کرتا رہا ہے یا یہ مسٹروں کا کارنامہ ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام ملّا چلا رہا ہے یا مسٹر؟ قتل و غارت، ڈاکہ زنی، ہیرا پھیری اور دوسرے جرائم کو فروغ ملّا کی سرپرستی میں ہو رہا ہے یا مسٹر کی؟ لیکن اسلام سے مسلمانوں کو بدظن اور مایوس کرنے کے لیے دیندار طبقے کے خلاف ایک مسلسل پروپیگنڈا ہے جو ہمارے ملک میں کیا جا رہا ہے، اور مقصد یہ ہے کہ جو طبقہ اب تک کی تمام خرابیوں کا اصل ذمہ دار رہا ہے اس کے دامِ فریب میں لوگ ہمیشہ گرفتار رہیں۔

مایوسی پھیلانے کا تیسرا حربہ جو حقیقت میں گہری سازش ہے اور جس سے مسلمانوں کو پوری طرح چوکنا اور خبردار رہنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاہیے یہ ہے کہ اس انتخاب کے نتائج سے عوام کو بددل کیا جاتے۔ اگر خدانخواستہ غیر اسلامی عناصر غالب آجائیں تو پھر اسلامی قوتوں کو اس طرح دبا دیا جائے کہ وہ مستقبل میں اُٹھنے نہ پائیں، اور اگر وہ مغلوب ہو جائیں تو پھر اسمبلی کے باہر ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ یہ نمائندہ ادارہ اپنا کام بخوبی سرانجام نہ دے سکے۔ اس فتنے کے جو عناصر اسمبلی کے اندر جا سکیں وہ وہاں تعطل پیدا کریں اور قدم قدم پر رکاوٹیں ڈالیں۔ وہ باقی فتنہ پرداز باہر رہ کر عوام کو ہنگامہ آرائی پر آمادہ کر کے اسمبلی کے کام کو معطل کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر بالفرض اس میدان میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو تو مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کے مستقبل کو تاریک بنانے کے لیے تیسرا شیطانی حربہ یہ اختیار کیا جائے کہ اُنھیں اسمبلی سے بے جا توقعات وابستہ کرنے کی ترغیب دی جائے اور جب وہ ان کے حسبِ منشا پوری ہوتی نظر نہ آئیں تو اس "ناکامی" کو اسلامی نظام کی ناکامی کی دلیل کے طور پر پیش کر کے عوام کے اندر یہ گمراہ کن خیال پھیلایا جائے کہ اسلام نعوذ باللہ ناکام ہوا ہے۔ اس سازش سے ہمارے ملک کے ہر بہی خواہ کو پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔ توقعات قائم کرنا کوئی بُری بات نہیں ہے۔ جو لوگ اس ملک میں دین کا کام کر رہے ہیں اُن سے یہاں کے عوام کو اچھی توقعات ہی رکھنی چاہئیں۔ مگر توقعات اور خوابوں کے محلات میں بہرحال ایک فرق ہے۔ توقعات ہمیشہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے وابستہ کرنا چاہئیں اور دیکھنا چاہیے کہ ان حالات میں کیا کام اور کتنا کام عملاً ممکن ہے۔

ہونے والے انتخابات کے نتائج کیا ہوں گے ان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اندازہ یہی ہے کہ اشتراکیت کے علمبردار اسمبلی میں اکثریت حاصل نہ کر سکیں گے۔ اسمبلی کے اندر اکثریت انشاء اللہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظوں کی ہو گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا محض ان لوگوں کے اسمبلی میں اکٹھا ہو جانے سے اسلامی نظام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اس ملک میں برپا ہو سکے گا؟ اسلامی نظام کے قیام کے لیے صرف چند اسلام پسندوں کی اسمبلی کے اندر محض یکجائی کافی نہیں۔ اس کے لیے چند ناگزیر شرائط بھی ہیں:

پہلی شرط تو یہ ہے کہ اسمبلی میں عظیم اکثریت ان لوگوں کی ہو جو محض اسلام کے نام لیوا نہ ہوں بلکہ فکر و عمل کے اعتبار سے واقعی مسلمان ہوں، اسلام کو جانتے بھی ہوں اور اس کے ساتھ گہری عقیدت اور وابستگی رکھتے ہوں، ان میں اتنی بصیرت ہو کہ موجودہ حالات میں اسلامی قوانین کا نفاذ حکمت کے ساتھ کر سکیں، اور ان کے درمیان پوری ہم آہنگی بھی پائی جاتی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری شرط یہ ہے کہ حکومت کی مشینری میں ایسے مردانِ کار کی کافی تعداد موجود ہو جو اسلامی قوانین کے مطابق نظامِ حکومت چلانے کے خواہشمند بھی ہوں اور اس کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو اور حکومت کی مشینری پر نظریات کے لحاظ سے بے دین اور کردار کے لحاظ سے بددیانت لوگوں کا قبضہ رہے تو محض اسمبلی کے اندر اسلامی قوانین کے نفاذ کا فیصلہ کر دینے سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے جن کی جائز طور پر توقع کی جا سکتی ہے بلکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ خود اسلامی قوانین کے بارے میں عوام کے اندر شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو جائیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عوام کی اسلام سے وابستگی صرف نعرے بلند کرنے یا زیادہ سے زیادہ دیندار افراد کے حق میں ووٹ دینے تک ہی محدود نہ ہو بلکہ وہ فی الحقیقت اسلامی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے دل و جان سے خواہشمند ہوں اور اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کا سچا جذبہ رکھتے ہوں۔ اسلامی نظام کوئی عکس بندیوں کا نظام نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو ایک آہنی شکنجے میں کس کر رکھ دے۔ بیشک انسان کو ناجائز کاموں سے باز رکھنے کے لیے اسلام نے کچھ حدود و قیود مقرر کی ہیں مگر محض ان حدود و قیود کے بل بوتے پر اسلامی نظام کی ساری برکات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ان حدود و قیود کا معاملہ تو دینی سرحدوں کا سا ہے جنہیں پھاندنے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مگر دین کا بیشتر حصہ تو ان سرحدوں کے اندر موجود ہے جس میں انسان اپنی دلی خواہش سے نیکی اور بھلائی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ عمل کے اس وسیع و عریض میدان میں اگر بے عملی کا مظاہرہ کیا جائے تو آخر مطلوبہ نتائج کس طرح برآمد ہو سکتے ہیں۔

ان واضح حقائق کو سامنے رکھ کر ہی قومی اسمبلی سے توقعات قائم کرنی چاہییں ورنہ یہاں کے عوام اسی مایوسی کے شکار ہونگے جس کی آرزو بے دین طبقے مدت سے اپنے دلوں میں پال رہے ہیں۔ جو کچھ ان حالات میں ممکن ہے وہ یہی ہے کہ جمہوریت کی پٹڑی سے اتری ہوئی گاڑی پھر پٹڑی پر چڑھ جائے۔ ملک میں ایک نمائندہ حکومت قائم ہو جائے جو عوام کے سامنے جوابدہ ہو۔ اسمبلی کے اندر اسلامی عناصر کے ایک مضبوط گروہ کی موجودگی کے باعث بے دینی کے اس سیلاب کی کسی حد تک روک تھام ہو جاتے۔ ملک میں اسلام کے لیے فضا سازگار کرنے کی کوشش کی جاتے۔ اور عوام کو معاشی ظلم سے بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہ کیا جائے۔

© rasailojaraid.com